

خلفائے راشدین کا اجتہادی منہج

حافظ شعیب احمد

حضرت عمرؓ اور قیاس:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض مواقع پر قیاس سے بھی کام لیا ہے۔ آپؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو خط لکھا اس میں بھی انہیں قرآن و سنت میں حکم نہ ملنے کی صورت میں قیاس کرنے کی بایں الفاظ تلقین کی:

”الفہم الفہم فیما یختلج فی صدرک مما لم یبلغک فی الکتب والسنہ واعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور عند ذلک فاعمد الی احبہا عند اللہ عزوجل واشبہہا بالحق فیما تری“، (۱)

”جس مسئلہ بارے کتاب و سنت کی رہنمائی آپؓ تک نہیں پہنچ سکی اور وہ مسئلہ آپؓ کی دلی تشویش کا باعث ہے تو اس بارے گہرے غور و غوض سے کام لو اور اس مسئلہ کی نظر (کتاب و سنت میں) تلاش کرو پھر ان نظائر و امثال پر اس مسئلہ کو قیاس کرو اور وہ فیصلہ جو تمہاری نظر میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اور حق کے قریب محسوس ہو تو اسے اختیار کر لو۔“

یہاں آپؓ نے نہ صرف حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بوقت ضرورت قیاس کرنے کی تلقین کی بلکہ قیاس کے چند اصول و ضوابط کی طرف بھی رہنمائی کر دی ہے مثلاً ایک یہ کہ قیاس اس وقت کیا جائے گا جب کسی مسئلہ کا حکم شرعی کتاب و سنت میں موجود نہ ہو دوسرا اصول یہ ہے کہ مقیس و مقیس علیہ میں کوئی علت مشترک ہو جس کی طرف اشارہ ”اعرف الامثال والاشباہ“ کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے۔ (۲) ذیل میں حضرت عمرؓ کے قیاس کرنے کی چند امثلہ ذکر کی جاتی ہیں:-

(۱) وفات رسول ﷺ کے بعد سقیفہ بنو ساعدہ میں جب خلیفہ کی تقرری بارے اختلاف ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اسم گرامی پیش کرتے ہوئے قیاسی استدلال بھی پیش کیا تھا۔

آپؐ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو ہمارے دینی معاملات کا امین بناتے ہوئے امامت صلوٰۃ کا حکم دیا تھا لہذا وہی ہمارے دنیوی معاملات (خلافت مراد ہے) کے بھی امین ہونے چاہیں۔ (۳)

(۲) آپؐ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ بہت سخت قحط پڑا جس کے نتیجہ میں نوبت یہ اس جا رسید کہ بعض لوگوں نے مجبور ہو کر چوری کی وارداتیں بھی کیں لیکن آپؐ نے مجبوری و قحط سالی کی بنا پر چوری کرنے والوں پر حد سرقہ نہیں لگائی (۴) تو یہ دراصل آپؐ کے قیاس کا نتیجہ تھا۔ قرآن مجید میں مضطر شخص کو باہر مجبوری مردار اور سور وغیرہ کھانے کی اجازت دی دے گئی تھی (۵) حالانکہ عام حالات میں وہ حرام ہیں تو آپؐ نے ایسے مجبور شخص پر ہی ”عام المجاعة“، (زمانہ قحط) کے چوروں کو قیاس کیا اور ان سے حد ساقط کر دی۔ (۶)

(۳) رسول اللہ ﷺ نے کفار سے جہاد و قتال کے موقع پر حد سرقہ لگانے سے منع کیا تھا (۷) مبادا کہ وہ محدود شخص کفار سے جا ملے اور انہیں مسلمانوں کے خفیہ راز جانتائے (۸) آپ ﷺ نے صرف حد سرقہ لگانے سے منع کیا تھا مگر حضرت عمرؓ نے حد سرقہ پر قیاس کرتے ہوئے باقی حدود کے نفاذ سے بھی منع کر دیا۔ (۹)

حضرت عمرؓ اور استحسان:

حضرت عمرؓ کے انتہادات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے بعض اوقات ”اصول استحسان“ کا بھی لحاظ کیا۔ ہے۔ آپؐ کے عہد حکومت میں ایک عورت کا انتقال ہوا جس کے ورثاء میں خاوند، والدہ، دو سگے بھائی، دو اخیانی (ماں شریک) بھائی تھے (۱۰) قانون میراث کے مطابق سگے بھائی عصبات میں اور اخیانی بھائی اصحاب الفروض میں شمار ہوتے ہیں اور عام شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اصحاب فروض کو دینے کے بعد جو بچے وہ عصبات کے حصہ میں آتا ہے۔

مذکورہ متوفیہ کے ترکہ میں سے خاوند کا نصف حصہ، والدہ کا چھٹا حصہ اور اخیانی بھائیوں کا ایک تہائی حصہ بنتا تھا اور انہیں دینے کے بعد سگے بھائیوں کے لیے کچھ نہ بچتا تھا لہذا شرعی طور پر وہ محروم وراثت تھے (۱۱) مگر حضرت عمرؓ نے سگے بھائیوں کا یہ نقصان دور کرنے کے لیے میراث کے عام قاعدہ کو ترک کر کے سگے بھائیوں کو اخیانی بھائیوں کے ساتھ شامل کر کے ان سب کو ایک تہائی میں حصہ دار بنادیا۔ (۱۲) یہاں دراصل آپؐ نے ”اصول استحسان“، (۱۳) کا استعمال کیا ہے جیسا کہ استاذ زرقاء لکھتے ہیں:

☆ اقیع بصورتک وموہیک ودخلک واهلک ویک تجد الراسۃ والسعاده ☆

”بذالك من عمر رضى عنه سنة الاستحسان المقيم للعدالة المرافع للخرج،، (۱۳)
 ”اس طرح عمرؓ نے استحسان کے طریقے کو متعارف کرایا اور ایسا آپؐ نے دراصل اقامت عدلی اور رفع
 حرج کے لیے ہی کیا تھا۔“

حضرت عمرؓ اور سد ذریعہ:

”سد ذریعہ“، کا اصول حقیقت میں مصلحت ہی کی ایک خاص صورت ہے جیسا کہ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان
 رقم طراز ہیں کہ سد ذریعہ کا اصول دراصل ”مصلح“ کے اصول کی توثیق کرتا ہے کیونکہ یہ اصول
 درحقیقت ان اسباب و وسائل کے اختیار کرنے سے منع کرتا ہے جو مفسد کی طرف لے جاتے ہیں جبکہ
 مصلحت ہی کا تقاضا ہوتا ہے کہ ”درء المفسد“، (نقصانات اور خرابیوں کے ازالہ) کی صورت پیدا کی
 جائے۔ لہذا یہ اصول ”سد ذریعہ“، حقیقت میں اصول مصلحت کا تتمہ و کملہ ہے (۱۵) اللہ تعالیٰ نے زنا سے
 روکا تو سد ذریعہ کے طور پر نگاہوں کی حفاظت کا بھی حکم دیا (۱۶) اور سد ذریعہ کے طور پر ہی کفار و شرکین
 کے جھوٹے اور تصوراتی خداؤں کو گالی دینے سے منع کیا کہ مبادا وہ مسلمانوں کے معبود حقیقی کو برا بھلا کہنا
 شروع کر دیں۔ (۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے بھی سد ذریعہ کے طور پر ہی اجنبی عورت سے خلوت و تنہائی اختیار کرنے سے منع کیا
 ہے۔ (۱۸) تاکہ کہیں یہ خلوت و تنہائی زنا کاری تک نہ لے جائے (۱۹) اسی طرح حاکم وقت یا قاضی کو کسی
 ایسے شخص سے ہدیہ قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اس کو اس عہدہ پر مقرر ہونے سے پہلے نہ دیتا رہا
 ہو (۲۰) اور اس ممانعت کی علت یہی ہے کہ یہ ہدیہ ناجائز تحفوں اور رشوت کا ذریعہ نہ بن جائے
 (۲۱) گویا ”سد ذریعہ“، کے اصول کے تحت ایسا حکم دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث سے ”سد ذریعہ“، اصول کی طرف ہماری رہنمائی ہوتی ہے قرآن وحدیث کی
 انہی نصوص کے زیر اثر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ بھی بوقت ضرورت اس اصول کا استعمال کرتے نظر
 آتے ہیں (۲۲) چند امثلہ حسب ذیل ہیں:

(۱) آپؐ کے بارے ثابت ہے کہ آپؐ نے ایک ایسی بستی جلانے کا حکم دیا جہاں شراب پیجی جاتی تھی (۲۳)
 اس بستی کے جلادینے سے یقیناً پوری سلطنت پر اس کا اثر پڑا ہوگا اور حضرت عمرؓ کا یہی مقصود تھا ورنہ تو عام

☆ اعلم ان مع الحسریر، وان الفرج مع الکرب، وانه لا یدوم الحال وان الایام دول. ☆

حالات میں اس طرح الملاک کو جلا تا جائز نہیں۔ (۲۴)

(۲) اسی طرح جب آپؐ نے بوجہ ایک ہی مجلس کی طلاق ثلاثہ کے نافذ و منعقد ہو جانے کا اپنی قلمرو میں اعلان کروادیا تو لوگوں نے حلالہ کا راستہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔ طلاق ثلاثہ کے نفاذ کے بعد اگر حلالہ کا دروازہ کھلا رکھا جاتا تو وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا تھا جس کے پیش نظر آپؐ نے طلاق ثلاثہ کے نافذ ہو جانے کا اعلان کیا تھا لہذا آپؐ نے حلالہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے سد ذریعہ کے طور پر اعلان فرمادیا کہ

”لا اوتی بمحلل ولا محلل له الا رجعتھا“، (۲۵)

”جس بھی حلالہ کرنے والے کو اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا کو میرے پاس لایا گیا تو میں ان دونوں کو رجم کر دوں گا۔“

(۳) اسی طرح جس درخت کے سایہ تلے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر صحابہ کرامؓ نے حدیبیہ میں بیعت کی تھی، سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے سد ذریعہ کے طور پر ہی اسے اکھڑا دیا تھا۔ کیونکہ آپؐ کے علم میں یہ بات آئی کہ لوگ حدیبیہ مقام کی طرف خصوصاً سفر کر کے جاتے ہیں اور وہاں اس ”شجرۃ الرضوان“ کے سایہ تلے نماز پڑھتے ہیں اسی لیے آپؐ نے ایک دن لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

”اراکم ایہا الناس رجعتکم الی العزی، الا لا اوتی منذ الیوم باحد عاد لمثلہا الا قتلہ بالسیف، کما یقتل المرتد، ثم امر بہا فقطعت“، (۲۶)

”لوگو! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم پھر عزی (مشرکین مکہ کی دیوی) کی پرستش کی طرف لوٹ رہے ہو۔ خبردار! ایسا کرنے والے جس شخص کو بھی میرے پاس لایا گیا تو میں اسے مرتد کی طرح قتل کر دوں گا۔ اور پھر آپؐ کے حکم پر اس درخت کو ہی کاٹ دیا گیا۔“

آپؐ سمجھتے تھے کہ اس درخت سے لوگوں کی یہ والہانہ عقیدت و محبت بالآخر کہیں انہیں غلو کی طرف نہ لے جائے اور پھر وہ درخت ہی کو مقدس سمجھ کر اس کی پوجا پاٹ شروع کر دیں کیونکہ گزشتہ ام کے شرک میں ملوث ہونے کا ایک اہم سبب یہی محبت و عقیدت میں غلو اور افراط و تفریط تھا (۲۷) لہذا آپؐ نے درخت ہی کاٹ دینے کا حکم دے دیا کہ ”نہ رہے بانس اور نہ بچے بانسری۔“

(۳) اسی طرح آپؐ نے حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کو چھپانے کا حکم دیا کیونکہ خدشہ تھا کہ لوگ اسے تقدس کا درجہ دے کر اس کی پوجا پاٹ نہ شروع کر دیں۔ (۲۸)

حضرت عمر فاروقؓ اور استصحاب:

مصادر شریعت میں سے ایک مصدر ”استصحاب“، کو بھی مانا گیا ہے اور اصول فقہ کی اصطلاح میں ”استصحاب“ سے مراد ہے ”جو چیز جس حالت میں پہلے تھی اس کو اس وقت تک اسی طرح اپنی سابقہ حالت میں باقی سمجھنا جب تک کوئی ایسا سبب نہ پایا جائے جو اس کو تبدیل کر دے“، (۲۹) یہ اصول بھی دراصل قرآن و حدیث سے ہی مستنبط ہے (۳۰) جو عقل کو بھی اپیل (appeal) کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اجتہادات میں بھی اس اصول کا استعمال ملتا ہے مثلاً ایک دفعہ حضرت عمرؓ ایک تالاب کے پاس فروکش ہوئے آپؓ کے ساتھ حضرت عمر دین عاصؓ بھی تھے۔ حضرت عمر دین عاصؓ نے مقامی لوگوں سے پوچھا کہ اس تالاب سے درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے مسئول سے کہا کہ یہ بات ہمیں نہ بتانا (۳۱) گویا حضرت عمرؓ کے پیش نظر یہ اصول تھا کہ جب تک حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو اشیاء میں اصل اباحت ہی ہے۔ (۳۲)

حضرت عمرؓ اور مصالح مرسلہ:

حضرت عمرؓ اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ شرعی احکام سے مقصود لوگوں کی مصالح کی حفاظت کرنا ہے لہذا لوگوں کی مصالح کی حفاظت بہر صورت ہونی چاہیے۔ آپؓ کے بارے میں آتا ہے:

”كان عمر يجتهد في تعرف الحكمة التي نزلت فيها الآية ويحاول معرفة المصلحة التي جاء من اجلها الحديث وياخذ بالروح لا بالحرف“، (۳۳)

”سیدنا عمرؓ اس حکمت کی معرفت و پہچان حاصل کرنے کی بڑی کوشش کرتے تھے جس کی وجہ سے آیت نازل ہوئی تھی یا نبیؐ کی حدیث ظاہر ہوئی تھی۔ آپؓ قرآن و سنت کے الفاظ کی بجائے ان کی روح اور مقصد پر زیادہ تر نظر رکھتے تھے۔“

یہی باعث ہے کہ آپؓ کے اجتہادات میں مصالح مرسلہ کی رعایت رکھنے کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جن

☆ افرح باختيار الله لك، فاك لا تدري بالمصلحة فقد تكون بعدة خير اك من الرءاء ☆

میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:-

(۱) حضرت عمرؓ کے دور میں یہ مسئلہ سامنے آیا کہ صنعا میں ایک شخص کو چھ مردوں اور ایک عورت نے مل کر قتل کر دیا اس کے قصاص بارے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر استفسار کیا گیا۔ آپؓ نے صحابہؓ سے مشاورت کے بعد امیر صنعا یعنی بن امیہ کو لکھا کہ قتل میں شریک تمام افراد کو قتل کر دیا جائے اور ساتھ اپنا یہ مشہور جملہ کہا:

لو اشترک فیہ اهل صنعا لقتلتهم،، (۳۴)

”اگر اس قتل میں تمام باشندگان صنعا بھی شریک ہوتے تو میں ان تمام کو قتل کروا دیتا۔“

آپؓ کا ایک مقتول کے قتل میں شریک تمام افراد کو قتل کرنے کا حکم دراصل مصلحت مرسلہ کے لحاظ کی بدولت ہی ہے تاکہ لوگوں کی جانیں محفوظ ہو جائیں وگرنہ خصوصاً اس بارے کوئی نص موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

قد دعت الیہ المصلحة فلم یکن مبتد عامع مافیہ من حفظ مقاصد الشرع فی حقن الدماء (۳۵)

”در اصل مصلحت کا یہی تقاضا تھا لہذا آپؓ نے کسی بدعت کا ارتکاب نہیں کیا کیونکہ اس فیصلہ سے مقصود انسانی جانوں کا تحفظ تھا اور وہ مقاصد شریعت میں سے ایک اہم مقصد ہے۔“

مصلحت کے علاوہ یہاں سد ذریعہ اصول کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ (۳۶)

(۲) مفقود البصر شخص کی بیوی بارے حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ خاوند کے لاپتہ ہونے کے دن سے لے کر چار سال تک انتظار کرے گی اگر اس بارے کچھ اطلاع نہ مل سکی تو وہ عورت اگر چاہے تو چار ماہ دس دن یعنی عدت وفات گزارے اور پھر آگے شادی کر سکتی ہے نیز مفقود کی وراثت تقسیم کر دی جائے گی (۳۷) استاذ رقاء لکھتے ہیں کہ آپؓ کا یہ اجتہادی فیصلہ دراصل مصلحت مرسلہ کے پیش نظر ہی ہے۔ (۳۸)

مصلحت کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں (الف) عامہ (ب) خاصہ

مصلحت خاصہ سے مراد جس سے چند خاص لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور مصلحت عامہ سے مراد جس سے سب لوگوں کو عمومی طور پر فائدہ پہنچتا ہو۔ اصولاً مصلحت خاصہ کے مقابلہ میں مصلحت عامہ کا لحاظ کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ اسی لیے حضرت عمرؓ بھی مصلحت عامہ کا لحاظ رکھا کرتے تھے۔ لیکن اگر عامہ کے ساتھ خاصہ بھی مل

☆ البلاغ مقرب بینک و بین اللہ، و یعلیٰ ملک الدعا و یدھب عنک الکبر و العجب و الفخر ☆

جائے تو خوش آئند بات ہے۔ لیکن جب دونوں میں تعارض ہوتا تو صرف پہلی کا ہی خیال رکھتے تھے۔ ایسا صرف شریعت کے مقاصد عامہ کی وجہ سے کرتے تھے۔ (۳۹) مثلاً عہد نبوی اور عہد صدیقی میں مسجد حرام کے ارد گرد کوئی دیوار نہ ہوتی تھی۔ سن سترہ ہجری کو حضرت عمرؓ نے ماہ رجب میں عمرہ کیا تو آپؐ کے علم میں یہ بات آئی کہ صحن کعبہ حج و عمرہ کرنے والوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے تنگی اماں کی شکایت کر رہا ہے۔

چنانچہ آپؐ نے مسجد حرام کی توسیع کا پروگرام بنایا لہذا مسجد حرام کے قرب وجوار میں جو مکانات تھے ان کے مالکوں سے خریدے، انہیں منہدم کیا اور پھر انہیں مسجد میں شامل کر دیا۔ نیز مسجد کے لیے دیوار بھی کھڑی کر دی گئی (۴۰) یہاں آپؐ اگر مصلحت خاصہ کا لحاظ رکھتے تو ان کے مکانات مسجد میں شامل نہ کرتے۔ نتیجتاً توسیع مسجد کا کام نہ ہو پاتا۔ لہذا آپؐ نے مصلحت عامہ کے پیش نظر ان کے مکانات گرا کر مسجد میں شامل کر دیئے۔ لیکن مصلحت عامہ کی بنا پر عدل کا خاتمہ نہ کیا بلکہ ان مکانات کی قیمتیں ادا کر دیں۔ (۴۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر فاروقی اجتہادات میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت آپؐ کے اجتہادات کی اساس ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ نصوص صحیحہ کے مخالف نہ ہو۔ اگر کسی واقعہ میں نص خاص موجود ہوتی تو حضرت عمرؓ اسی کا التزام کرتے کیونکہ صاحب اختیار اگر محض اپنی سمجھ و دانست کے مطابق ایک مصلحت کو ملحوظ رکھتا ہے اور عدل نص کی مخالفت کرتا ہے تو شرعی طور پر اس کا حکم نافذ العمل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کے کسی بھی اجتہاد میں ہمیں ابتاع نفس کا شائبہ نہیں ملتا۔ جب کسی مسئلہ میں نص خاص نہ ہوتی تو ایسا نہ تھا کہ حضرت عمرؓ مصلحت کی پہچان کے لیے محض اجتہاد و رائے کو اختیار کرتے ہوں بلکہ شریعت کے ہی مقاصد عامہ کی طرف مراجعت کرتے تھے۔ (۴۲)

حضرت عمرؓ اور عرف کا لحاظ:

(۱) حضرت عمرؓ کے اجتہادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے اجتہاد کرتے ہوئے جن امور کو ملحوظ رکھا ہے ان میں سے مروجہ عرف بھی ہے اگر آپؓ نے رائج عرف کے لحاظ میں ہی مصلحت سمجھی تو اسے ہی اختیار کر لیا مثلاً آپؓ ایک دفعہ شام کے علاقہ میں تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں کے غیر مسلموں سے کوئی معاہدہ طے پاتا ہے۔ واپسی کے موقع پر ”اذرعات“ کے باشندے تلواروں اور گلدستوں کا ایک کھیل

☆ انت محل فی نفسک قاطیر الھم، و کنوز الخیرات الھی و صہک ایماحا ☆

دکرتب پیش کر کے آپؐ کا استقبال کر رہے ہوتے ہیں۔ آپؐ نے اسے روکنا چاہا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ امیر المومنین یہ ان عجمیوں کا دستور ہے اگر آپؐ انہیں اس سے روک دیں گے تو یہ لوگ خیال کریں گے کہ شاید آپؐ ان سے کیا ہوا معاہدہ توڑنا چاہتے ہیں اس پر آپؐ نے کہا کہ انہیں کر لینے دو۔ (۴۳)

(۲) اسی طرح جب حضرت عمر فاروقؓ نے عراق و شام کے علاقے فتح کیے تو ایرانی دور حکومت سے یہاں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ زمین کا خراج اس کے رقبہ کے حساب سے ایک متعین شرح کے مطابق وصول کیا جاتا تھا آپؐ نے بھی یہی طریقہ برقرار رکھا۔ (۴۴)

(۳) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عرف یہ تھا کہ خاندان و قبیلہ کے لوگ انسان کے دست و بازو بنتے اور ہر موقع پر قوت و مدد کا باعث بنتے تھے لہذا آپ ﷺ نے دیت خاندان و قبیلہ پر مقرر کردی (۴۵) مگر جب حضرت عمرؓ نے بعض اسباب کی بنا پر دفاتر کا نظام قائم کیا (۴۶) تو اب چونکہ باہم مدد اہل دفاتر سے وابستہ ہو گئی یعنی عرف بدلا تو حضرت عمرؓ نے نئے عرف کا لحاظ کرتے ہوئے دیت اہل دیوان (دفتر) پر مقرر کردی (۴۷) اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے دیت کی ذمہ داری خاندان و قبیلہ پر اس لیے ڈالی تھی کہ اس وقت قوت و مدد انہیں کے ذریعہ حاصل ہوتی تھی پھر حضرت عمرؓ نے جب دفاتر کا نظام قائم کیا تو یہ قوت و مدد اہل دیوان (اہل دفاتر) سے وابستہ ہو گئی۔“ (۴۸)

روح شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتہاد:

آپؐ کے اجتہادات پر نظر ڈالی جائے تو بعض اجتہادات بظاہر نصوص سے ٹکراتے نظر آتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے آپؐ نے نص کو قصداً ترک کر دیا ہے لیکن جب بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ راز کھلتا ہے کہ آپؐ کے پیش نظر دیگر کی نصوص تھیں۔ چونکہ وقتی طور پر ایک خاص نص پر عمل سے کسی مفیدہ کے سامنے آنے کا خطرہ تھا یا لوگوں کی مصالح ضائع ہونے کا خطرہ تھا لہذا آپؐ نے صرف ایک نص پر اکتفا کرنے اور جم جانے کو حرج کا باعث سمجھا۔ لہذا دیگر نصوص کو بھی سامنے رکھا اور پھر کسی حتمی نتیجہ پر پہنچے الفاظ دیگر آپؐ نے نصوص کے محض الفاظ پر ہی اصرار نہ کیا بلکہ روح شریعت کو بھی ملحوظ رکھا جیسا کہ ڈاکٹر نادیر شریف لکھتی ہیں:

”انہ کان يعمل بروح التشريع كما كان يعمل بمنطوقه“، (۴۹)

☆ احسن الی الناس، و قد تم الخیر للشر، للعلی السعادة من عیادة مریض، و اعطاء فقیر و الرحمة یتیم ☆

”آپؐ جس طرح نصوص شریعت کے منطوق (ظاہری معنی و مفہوم) کو اختیار کرتے تھے اسی طرح روح شریعت اور اس کے اصل مقصد کو بھی ملحوظ رکھتے تھے۔“

حضرت عمرؓ روح شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ و اجتہاد کرنے کو کس قدر اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

آپؐ کے پاس کعب بن سعدؓ شریف فرماتے کہ ایک عورت نے دبے لفظوں اپنے خاوند کی شکایت کی کہ وہ ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہتا ہے اور اس کے حقوق زوجیت بھی ادا نہیں کرتا۔ آپؐ نے اس مسئلہ کے حل کے لیے کعب بن سعدؓ کو حکم دیا تو انہوں نے اس کا حل یوں پیش کیا کہ:

”فانی اری لہا یوما من اربعۃ ایام کان لزوجھا اربع نسوة فاذا لم یکن غیرھا فانی اقصیٰ لہ بثلاثة ایام ولیالھا یتعبد فیھن ولھا یوم وليلة۔“

”میرے خیال میں اس عورت کے لیے (خاوند کی جانب سے) ہر چوتھا دن مقرر ہونا چاہیے اور یہ اس مفروضہ کی بنیاد پر ہے کہ اس کے خاوند کی چار بیویاں ہیں لیکن چونکہ بیوی تو صرف ایک عورت ہے لہذا میرا فیصلہ یہ ہے کہ تین دن اور تین راتیں اس کا خاوند عبادت میں مشغول رہے مگر چوتھا دن اور رات اس عورت (بیوی) کے لیے مخصوص (کرے)۔“

حضرت عمرؓ اس فیصلہ سے اتنے خوش ہوئے کہ کعبؓ کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ (۵۰)

مذکورہ بالا دعویٰ کی تائید درج ذیل امثلہ سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) مصارف زکوٰۃ میں سے ایک ”مؤلفۃ القلوب“، (۵۱) نو مسلموں یا جن غیر مسلموں کے ایمان لانے کی امید ہو ان کی تالیف قلبی کے لیے ان پر خرچ کرنا۔ (۵۲) ہر مگر حضرت عمر فاروقؓ نے زکوٰۃ کی اس مد میں اپنے دور میں مال زکوٰۃ کو خرچ نہ کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپؓ نے نص قرآنی کو اپنے اجتہاد کی بدولت معطل یا منسوخ کر دیا بلکہ آپؓ کا اس مد میں مال زکوٰۃ خرچ نہ کرنا دراصل عارضی تھا (۵۳) اور ایسا دراصل اس لیے تھا کہ آپؓ نے بظاہر نص کی بجائے علت نص کی طرف دھیان دیا۔ شریعت کے اس حکم کی علت یہ تھی کہ وہ لوگ جن کے ایمان لانے کی امید ہو انہیں کچھ دے دلا کر ایمان کی طرف راغب کیا جائے یا وہ کفار جن کے شر کا خوف و خطر ہو تو ان کے شر سے بچنے کے لیے انہیں کچھ دے دیا جائے یا جو نو مسلم ہوں

توان کی اس طرح حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ کہیں ارتداد کی راہ پر نہ چل نکلیں۔ (۵۳)

حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ یہ دراصل اس وقت تک تھا جب اسلام کمزور تھا لیکن اب چونکہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے لہذا اب اس کی ضرورت نہیں رہی (۵۴) نیز حضرت عمرؓ نے اصل میں چند متعین افراد کو دائمی طور پر دینے سے انکار کیا تھا جنہیں عہد نبوت سے حصہ ملتا آ رہا تھا جبکہ قرآن میں تو یہ کہیں بھی نہ تھا کہ چند متعین افراد کو ہمیشہ کے لیے اس کا حصہ دار بنادیا جائے (۵۵) یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عیینہ بن حصنؓ اور اقرع بن حابسؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اپنا حصہ وصول کیا اور ایک تحریر بھی لکھوائی تو حضرت عمرؓ کے پاس وہ تحریر لائے تو آپؓ نے اس تحریر کو مٹا دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری تالیف اس وقت کرتے تھے جب اسلام ابھی کمزور تھا لیکن اب تم جاؤ اور دونوں اپنی کوشش سے کماء۔ (۵۶)

معلوم ہوا کہ آپؓ کو دراصل یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اس طرح تو یہ لوگ مستقل طور پر بیت المال پر بوجھ بن کر رہ جائیں گے اور خود کمانے کا نہ سوچیں گے جبکہ اسلامی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم اپنی محنت سے روزی کمانا بھی ہے۔ (۵۷)

(۳) آپؓ سے قبل گھوڑوں پر کوئی زکوٰۃ نہ عہد نبوی میں لی گئی اور نہ ہی عہد صدیقی میں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب میں گھوڑوں کو پالنا بہت مشکل بھی تھا اور مہنگا بھی۔ جبکہ اونٹ، بکری اور گائے کو پالنا سنبھالنا نسبتاً آسان تھا لہذا عمومی طور پر گھوڑے ذاتی استعمال کے لیے ہی ہوتے تھے (۵۸) اسی لیے آپ ﷺ نے ذاتی استعمال میں رہنے والے گھوڑے اور ذاتی خدمت کے لیے غلام کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

”لیس علی المسلم فی عبده ولا فی فرسه صدقة“، (۵۹) ”مسلمانوں پر اس کے غلام اور گھوڑے کا صدقہ (لازم) نہیں ہے۔“

لیکن عہد فاروقیؓ میں بعض اسباب کی بنا پر لوگوں کے پاس مال و دولت کی بہتات ہوئی حتیٰ کہ گھوڑوں کی بھی تجارت کثرت کے ساتھ ہونے لگی (۶۰) اس صورت حال میں کچھ نیک فطرت لوگوں نے خود گھوڑوں پر زکوٰۃ ادا کرنے کا خیال ظاہر کیا مگر ابتدا میں آپؓ نے لیتے سے انکار کیا۔ ازاں بعد آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے مشورہ یہ دیا کہ جب لوگ خوش دلی سے دینا چاہتے ہیں

☆ اعلم انک است الوحید فی البلاء، فما سلم من الهم احد، وما نجا من الہدۃ بشر ☆

تو آپؐ وصول کر لیجیے لہذا آپؐ نے زکوٰۃ وصول کی۔ (۶۱)

گویا آپؐ نے قرآنی اصول ﴿انْفِقُوا مِنْ طِبْعَتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ (۶۲) (مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کما تے ہو اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرو۔) کی روشنی میں ایسا کیا۔ آپؐ کا اجتہاد کوئی بدعت کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ روح شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپؐ کا اجتہادی فیصلہ تھا۔ آپؐ کے اس اجتہاد کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں صحابہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں سامان تجارت سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے۔ (۶۳) لہذا حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد میں گھوڑوں پر زکوٰۃ بطور سامان تجارت وصول کی ہے اور روح شریعت کا بھی یہی تقاضا تھا کہ ہر وہ چیز جو بطور سامان تجارت ہو اس سے زکوٰۃ لی جائے۔

(۳) اسی طرح مشہور واقعہ ہے کہ خلیفہ عمرؓ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے ایک خاتون کے درج ذیل شعر پڑھنے کی آواز آئی:

لقد طال هذا الليل واسود جانبه وارقتني ان لا حبيب الا عبه

فوالله لولا الله تخشى عواقبه لحرک من هذا السرير جوانبه

”یہ رات کس قدر طویل اور تاریک ہو چکی ہے اور میں اس وجہ سے بے خوابی کا شکار ہوں کہ میرا محبوب (خاوند) موجود نہیں جس سے میں دل لگی کرتی اور وہ مجھ سے دل لگی کرتا۔ اللہ کی قسم! اگر اس (اللہ) کی سزاؤں کا ڈر نہ ہوتا تو (کسی زنا کار و بدکار کی وجہ سے) اس چار پائی کی چولیس بل رہی ہوتیں۔“

یہ وہ نیک سیرت خاتون ہے جس کے خاوند کو میدان جہاد میں گئے ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے اور یہ خاتون آج اپنے خاوند کی یاد میں بے چین ہوئے بیٹھی ہے اور اس کی یہ بے چینی واضطرابی کیفیت اسے مندرجہ بالا شعر پڑھنے پر مجبور کر دیتی ہے (۶۴) حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ ایک عورت کتنا عرصہ اپنے شوہر کی جدائی برداشت کر سکتی ہے۔ مشاورت کے بعد آپؐ نے یہ قانون نافذ کر دیا کہ ہر فوجی چار ماہ کے بعد ضرور اپنے گھر آئے۔ (۶۵) یہاں آپؐ کا یہ فیصلہ روح شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ قرآن مجید میں بھی ”ایلاء“، کرنے والے مردوں کو چار ماہ تک بیویوں سے علیحدگی و ناراضی کی اجازت ہے (۶۶) نیز یہاں آپؐ کا اہم مقصود زنا کاری و بدکاری کی

☆ تحقیر ان الدینا دار من دلا من مفضات و کدر قائلہا علی حالہا و اسعین باللہ ☆

رودک تمام بھی ہے جو شریعت کا ہی مقصود مطلوب ہے، گویا سد ذریعہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔
(۳) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمانوں کو شادی کی اجازت دی ہے (۶۷) مگر حضرت عمرؓ نے کتابیہ عورت سے شادی پر پابندی تو نہیں لگائی البتہ بعض وجوہات کی بنا پر اس سے شادی کو ناپسند ضرور جانا۔ وہ وجوہات یہ تھیں:

(الف) مسلمان عورتوں کے بے نکاحی رہ جانے کا خدشہ پیدا ہوا جس سے یقیناً ایک فتنہ پیدا ہو سکتا تھا۔
(ب) آپؐ نے خصوصی طور پر وہ علاقہ جو ابھی نیا نیا اسلامی سلطنت میں شامل ہوا تھا اس میں کتابیہ سے شادی کرنے کو مسلمانوں کے لیے بالعموم اور ارباب اختیار کے لیے بالخصوص ناپسند جانا کیونکہ اس طرح خدشہ یہ تھا کہ نو مسلم حضرات بھی اپنے والیوں کو دیکھ کر بلا خوف و خطر کتابیات سے شادی کرنا شروع کر دیں گے اور اس سلسلہ میں ان کے زنا کاری و بدکاری سے پاکدامن ہونے یا نہ ہونے کی بھی پرواہ نہ کریں گے، اسی لیے آپؐ نے اپنے ایک خط میں اس خدشہ کا اظہار بایں الفاظ کیا تھا:

”اخاف ان توقعوا المومسات منہن“، (۶۸)

”مجھے خدشہ اس بات کا ہے کہ آپ لوگ ان (کتابی عورتوں) میں بدکار عورتوں سے بھی شادی کر بیٹھیں گے۔“

آپؐ نے مدائن کے گورنر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو جو خط لکھا اس میں آپؐ نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ کہیں لوگ اپنے گورنر کی اقتدا میں کتابی عورتیں جو نسبتاً زیادہ خوبصورت ہیں ان سے دھڑا دھڑا شادی کرنے لگ جائیں جس سے مسلم عورتیں فتنہ میں واقع ہو جائیں یہی باعث ہے کہ آپؐ نے حضرت حذیفہؓ کو بالخصوص اس بات کا حکم دیا کہ وہ یہودیہ عورت کو طلاق دے دیں۔ (۶۹)

حضرت حذیفہؓ نے خط لکھ کر آپؐ سے استفسار کیا تھا کہ آیا اس سے نکاح کرنا حرام ہے تو آپؐ نے نفی میں جواب دیا تھا مگر ان مخصوص حالات میں امکانی خدشات کا اظہار کیا جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے (۷۰) آپؐ نے ایک جائز کام کو مخصوص حالات میں نہ کرنے کا مشورہ دیا نہ کہ آپؐ نے نص قرآنی کو منسوخ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ و طلحہ بن عبید اللہؓ نے تو آخر وقت تک کتابیہ عورت کو اپنے اپنے عقد میں رکھا مگر سیدنا حضرت عمرؓ نے ان پر کوئی نکتہ نہیں کی۔ (۷۱)

☆ تھکر فین سبوتک فی مسیرۃ الحیاء بمن مزل و جس، قول و سخن، واہتبی و کتب، وصورہ ☆

کتابیہ عورت سے نکاح کے سلسلہ میں قرآن نے ان کے ”محصنت“، یعنی پاکدامن ہونے کو اور ان سے نکاح کرنے والے مردوں کے لیے ﴿محصنین غیر مسلفین ولا متخذی اخدان﴾ (ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو، نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔) کی شرائط و قیود مقرر کی تھیں (۷۲) لیکن جس معاشرہ میں ان قیود کے ضائع ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا وہاں حضرت عمرؓ کا کتابیہ عورت سے نکاح کو ناپسند کرنا یا حدیفہ کو طلاق دینے کا حکم دینا دراصل عین منشاء قرآنی کے مطابق ہے۔ (۷۳)

حالات و ظروف کا اعتبار:

حقیقی مجتہد وہ ہے جو اس بات کا بھی جائزہ لے کہ احکام کا موقع و محل کیا ہے لہذا کن حالات میں شریعت کے احکام قابل عمل ہوں گے اور کن حالات میں ان پر عمل کرنے کے نتائج الٹ نکل سکتے ہیں یا احکام پر فوری عمل سے عوام کا رد عمل کیا ہو سکتا ہے بالفاظ دیگر ایک مجتہد کو دور رس نگاہ کا حامل ہونا چاہیے جو اپنے اجتہاد کے نتائج و اثرات کا بھی اچھی طرح جائزہ لے سکے۔ یہ وصف ہمیں حضرت عمرؓ میں انتہائی نمایاں طور پر نظر آتا ہے جس کے لیے درج ذیل مثال ذکر کی جاتی ہے۔

عہد فاروقی میں ۱۸ھ کو انتہائی شدت کا قحط پڑا اسی لیے اس سال کو ”عام الرمادۃ“، یا ”عام المجاعۃ“ بھی کہتے ہیں (۷۴) اس میں عام باشندوں کا حال یہ تھا کہ وہ گھاس پھوس ہی نہیں بلکہ مردار، چمڑے اور ہڈی کا ستوکھانے پر مجبور ہو گئے تھے (۷۵) اسی لیے آپؐ نے عام اعلان کر دیا تھا کہ ”اگر خدا نے اس قحط سے جلد نجات نہ دی تو میں ہر کھاتے پیتے گھر میں چند غریبوں اور قحط زدوں کو بھیج دوں گا تاکہ وہ اپنے کھانے میں ان کو شریک کر لیا کریں، کیونکہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کھا لیں گے تو دونوں ہلاکت سے بچ جائیں گے“، (۷۶)

قحط کی اس شدت کی بنا پر بعض لوگ اس قدر مجبور ہوئے کہ انہوں نے چوری کی اور وہ پکڑے بھی گئے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ کے سامنے دو راستے تھے کیونکہ دو طرح کی نصوص موجود تھیں۔ ایک طرف حدسرقہ کی واضح آیت تھی کہ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ﴾ (۷۷)

”اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کے فعلوں کی سزا اور خدا کی طرف سے

☆ کلاماً اباجرہ علی اللہ، من الھم والھم، والحزن والجوع والفقر والمرض والدین والمصاب ☆

عبرت ہے اور خدا زبردست اور صاحب حکمت ہے۔۔۔

اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ چور بہر حال چور ہے لہذا ان کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اگرچہ انہوں نے بھوک سے مجبور ہو کر چوری کی ہے مگر دوسری طرف درج ذیل نصوص تھیں جن میں بحالت مجبوری کیے گئے گناہ اور غلطی کی معافی کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ بامر مجبوری زبان سے نکلا ہوا کلمہ کفر بھی معاف ہے اللہ عز وجل فرماتے ہیں:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اَلَا مَنَ اَكْرَهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِاَلِ اِيْمَانٍ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرٌ فَاَعْلٰیهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (۷۸)

”جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بلکہ وہ جو (دل سے اور) دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا۔۔۔

۲۔ مردار، خنزیر، دم مسفوح، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور وغیرہ حرام ہیں مگر حالت مجبوری میں صرف اتنی مقدار میں کھا لینا جس سے جان بچ جائے معاف کر دیا گیا ہے چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلٰیكُمْ الْمِیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِیْرِ وَمَا هَلَکَ مِنْ غَیْرِہِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (۷۹)

اس نے تم پر مہرا ہوا جانور اور لہوا اور سور کا گوشت اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، حرام کر دیا ہے۔ ہاں جو ناچار ہوئے (بشرطیکہ) خدا کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ بے شک خدا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔۔۔

گویا قرآن مجید میں مجبوری کا لحاظ کیا گیا ہے اور عارضی وقتی طور پر محرمات کے استعمال کو بھی جائز کر دیا ہے۔ فقہاء کرام نے ایسی ہی آیات سے یہ اصول اخذ کیا ہے:

”الضرورات تبیح المحظورات“، (۸۰) ”ضرورت و مجبوری کی بنا پر ممنوع و حرام کام کا استعمال مباح ہو جاتا ہے۔۔۔“

اسی طرح حدود بارے ایک اہم حدیث نبی ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ ”اِدرء والحدود بالشبهات“

☆ علم ان اللہ اندک الاسماع والا لبصار، وحی القلب، وتروع النفس وتذکر العبد، وتزید الثواب ☆

(۸۱) ”شبہات کی بنا پر حدود نافذ نہ کرو۔“

اور یہاں شبہ عامہ موجود تھا۔ (۸۲)

جب دو طرح کی نصوص باہم متصادم تھیں تو حضرت عمرؓ نے ان نصوص کو ترجیح دی جن میں فی الحال مصلحت کا پہلو زیادہ تھا اور حالات و ظروف اسی کے مقتضی بھی تھے کیونکہ اگر حد لگا کر چوروں کو سزا دی جاتی تو بچے لوگ ڈر کے مارے چوری نہ کرتے مگر بھوک و افلاس کی وجہ سے وہ اپنی جانوں سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے۔ ان حالات میں گویا دو طرح کی مصالح متصادم تھیں، ایک طرف لوگوں کے اموال کی حفاظت کے مقابلہ میں جانوں کی حفاظت زیادہ ضروری واہم ہے لہذا آپؓ نے دوسری مصلحت کو ترجیح دی کیونکہ اس وقت حالات کا تقاضا ہی یہ تھا۔ (۸۳)

حضرت عمرؓ اور جدت پسندی (Modernism)

اہل یورپ کے یہاں مشہور زمانہ اصطلاح جدت پسندی کا مفہوم ہر قسم کے جدید نظریے کو قبول کر لینا ہے خواہ اس کے نتیجہ میں دینی عقائد کی بنیادیں بل جاسں بلکہ ان کے یہاں جدت پسندی کا مطلب ہی یہ ہے کہ اپنے دینی عقائد و نظریات میں انتہائی حد تک لچک پیدا کر لی جائے جبکہ بقول بعض اہل مغرب نے مذہب سے اپنی آزادی کی تحریک کو جدیدیت (Modernism) کا نام دیا (۸۴) مگر اسلام ایک مسلمان کو ایسی جدت پسندی کی قطعاً اجازت نہ دے گا۔ گویا جدت پسندی کے حوالے سے ایک مسلمان اور کافر کی سوچ اور طرز عمل میں نمایاں فرق ہونا چاہیے۔

جدت پسندی کا حقیقی اور صحیح مفہوم نئے افکار و نظریات یا نئی ترقیات و رجحانات کو اختیار کرنا ہے۔ (۸۵) اسلام تمام ایسے جدید نظریات یا ترقیات کے اختیار کر لینے کی اجازت دیتا ہے جس سے انسانیت کا فائدہ ہو لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور روح شریعت کے قطعاً متعارض و منافی نہ ہوں لہذا ہر نئے کام کو بدعت قرار دے دینا یا محض اس وجہ سے ٹھکرا دینا کہ وہ کفار کی طرف سے پیش کردہ ہے کوئی صحیح اسلامی طرز فکر نہیں ہے۔ ایک اچھی چیز اگر کفار کی جانب سے بھی ملے تو وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے قبول کیا جانا چاہیے۔ راقم الحروف نے ایک دفعہ اپنے مقالہ ”اسلام اور جدت پسندی“ میں لکھا تھا:

☆ لا تفرق الحوادث، ولا تفرق السود، ولا تعقد الشائعات، ولا تستعلم لمارجیف ☆

”اسلام جدت کا ساتھ دیتا ہے مگر اجتہاد کے ذریعے۔ اسلام نئے ترقیات و رجحانات کو خواہ فکری ہوں یا مادی، ان کا دشمن نہیں بلکہ ان کو اپنانے کی اجازت دیتا ہے مگر ان کی تطہیر و تزکیہ کر کے اور ان کے نقصان دہ پہلو کو دور کر کے۔ یہی حقیقت میں جدت پسندی ہے۔ ہر نئی چیز اور فکر کو بے سوچے سمجھے اختیار کر لینا تو حماقت اور بیوقوفی ہے اور ایسی حماقت و جہالت سے اللہ ہر کسی کو محفوظ رکھے،۔۔ (۸۶)

اسلام جدت پسندی کی اجازت دیتا ہے اس لحاظ سے حضرت عمر فاروقؓ بھی نہایت جدت پسند واقع ہوئے تھے۔ اسلام سے قبل عرب اور روم و ایران کی تہذیبوں اور ان کے نظام حکومت وغیرہ میں نمایاں فرق تھا۔ روم و ایران اس دور کی سب سے بڑی اور برتر طاقتیں (super power) خیال کی جاتی تھیں جب کہ ان کے مقابلہ میں عرب کو غیر منظم، غیر مرتب اور (uncultured) قوم کہا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زیر اثر عرب قوم میں تبدیلی کے آثار پیدا ہونا شروع ہوئے بالآخر عرب کے بدو اور بکریوں کے چرواہے دنیا کے امام و پیشوا بن گئے اور اب وہ وقت آیا کہ روم و ایران ایسی سپر طاقتیں بھی اسلامی سلطنت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ یہ نئے علاقے جب اسلامی ریاست میں شامل ہوئے تو ظاہر ہے مسلمانوں کو نئی تہذیب، کچھ اور نیا نظام حکومت وغیرہ دیکھنے کا موقع ملا جس سے اخذ و استفادہ کی راہیں ہموار ہوئیں۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کی شخصیت امت مسلمہ کے لیے خصوصاً قد وہ واسوہ (ideal) کی حیثیت رکھتی ہے کہ آپؓ نے ہی پہلی مرتبہ کفار کے مفید اور مستحسن اقدامات سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس بارے کی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی اور نہ ہی اسے باعث عار سمجھا۔ چنانچہ ڈاکٹر سجاد الرحمان صدیقی رقم طراز ہیں:

”اسلامی ریاست میں موجود اداروں کو مستقل شکل جناب فاروق اعظمؓ کے دور حکومت میں ہی ملی اور پھر بعد کے دونوں خلفاء نے اس نظم کو قائم رکھا۔ جناب فاروق اعظمؓ نے اسلامی روح کے مطابق ”الحکمة ضالة المومن“ کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جہاں سے بھی کوئی ایسی چیز ملی جو امت کے لیے نفع بخش ہوتی، اسے قبول کر کے اسلامی نظام کا حصہ بنادیا اور قطعاً کسی تعصب کو خاطر میں نہیں لائے،۔۔ (۸۷)

ذیل میں حضرت عمرؓ کے کفار کے تشکیل کردہ انتظامی امور سے استفادہ کی چند امثلہ ذکر کی جاتی ہیں:-

☆ اکثر ایجاب لایکون، وغالب بالسمع من مکروہ لا یقع، یونی اللہ کفایہ و عندہ رعیۃ، و منہ العون، ☆

(۱)۔ عہد فاروقی میں جب حکومتی آمدن کی شرح بہت بڑھ گئی تو رعایا (public) میں اس کی منصفانہ تقسیم کا مسئلہ پیش آیا کہ ہر شخص تک اس کا حق کیوں کر پہنچایا جاسکتا ہے جبکہ کوئی شخص محروم بھی نہ رہے۔ حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا اور مختلف آراء سامنے آئیں۔ بالآخر ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ انہوں نے (ریکارڈ کے لیے) رجسٹرڈ (دیوان) بنارکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو قبول کرتے ہوئے رجسٹر تیار کروائے جس میں لوگوں کے نام ایک خاص ترتیب سے لکھوائے اور اس طرح سب لوگوں تک یہ سہولت ان کا حق پہنچنا ممکن ہوا۔ (۸۸)

(۲)۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ہی رسد کا ایک مستقل محکمہ یونانی طرز پر بنایا گیا جس کا نام ”اہرا،“ بھی یونانیوں سے ہی مستعار لیا گیا تھا۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ اس بارے میں واقعیت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام ”اہرا،“ تھا چنانچہ شام میں عمر بن عبد اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراہری کی جمع ہے اور ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لیے نام میں بھی وی یونانی لفظ قائم رہا،۔ (۸۹)

(۳)۔ عراق کے کفار سے جزیہ لینے کا موقع آیا تو حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نو شیرواں نے اپنی حکومت میں تشکیل دیے تھے چنانچہ نو شیرواں کے اصول و ضوابط جاننے کے لیے حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ اور عثمان بن حنیفؓ کو اپنے سرکاری مراسلہ میں عراق کے دو بڑے زمینداروں کو اپنے پاس بھیجنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ زمیندار ترجمان (Translator) کے ساتھ آئے اور حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے یہاں مالگوزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ (۹۰)

(۴)۔ حضرت عمرؓ نے خراج کی وصولی کے لیے محض عراق صوبے کی پیمائش کرائی البتہ باقی تمام علاقوں میں جس طرح کا نظام (system) پہلے سے رائج تھا اسے ہی برقرار رکھا یہاں تک کہ اس سلسلے میں ریکارڈ کے رجسٹروں کی زبان بھی نہ بدلی اور نہ ہی سابقہ ملازم بدلتے تھے۔ تاہم گزشتہ نظام میں جہاں ظلم و ستم نظر آیا اس کے فوری بدلیے میں ذرا بھرتا خیر سے کام نہ لیا چنانچہ رومی اہل مصر سے ہر سال خراج کے علاوہ بھی غلہ ایک کثیر مقدار میں لیتے تھے اور فوج کے لیے بھی رسد کا غلہ یہیں سے جاتا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے

مذکورہ بالا مسئلہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات کے بارے میں واقفیت حاصل کر کے اس سے بلا جھجک استفادہ کرتے رہے البتہ اس سلسلہ میں ”خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كَدَرَ“، (میٹھا میٹھا بچپ کڑوا کر ڈالتھو۔) کے اصول کا ضرور لحاظ رکھا گیا۔ بالفاظ دیگر جو مفید چیزیں شریعت کی تعلیمات کے منافی نہ تھیں انہیں قبول کر لیا اور جو روح شریعت کے منافی تھیں انہیں رد کرنے میں بھی دیر نہ کی بلکہ اس میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے اصلاحی اقدامات اٹھائے اسی لیے علامہ شلی نعمانی (م ۱۳۲۲ھ) اس بارے میں خامد فرسائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتیں اس کو اختیار کرتے تھے۔۔۔۔۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کر دی،، (۹۲)

حواشی

- ۱۔ اعلیٰ بن عمر، دار قطنی، امام: سنن الدار قطنی (مع التعليق المغنی) (نشر السیة، ملتان، س۔ن) ۲۰۶: ۳
 ۲۔ عبد السلام، ندوی، مولانا: سیر الصحابة (اداره اسلامیات، لاہور، س۔ن) (جلد ۵ حصہ ۹ صفحہ ۲۵۹)
 ۳۔ عرفان خالد، ڈھلون، ڈاکٹر: علم اصول فقہ، ۳: ۸۳
 ۴۔ امام عبد الرزاق: المصنف، ۱۰: ۲۳۳
 ۵۔ چنانچہ درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں: البقرہ، ۳: ۱۷۷، الانعام، ۶: ۱۴۵، النحل، ۱۶: ۱۱۵
 ۶۔ نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ جس ۳۰۶ و محمد حمید اللہ، ڈاکٹر: خطبات بہاول پور (ادارہ تحقیقات اسلامی، چاسلام آباد، ۱۹۹۵ء) ص ۱۲۲
 ۷۔ امام ترمذی: جامع ترمذی، ابواب الحدود، باب ما جاء ان لا یقطع الایدی فی الغزو، حدیث: ۱۳۵۰
 ۸۔ عبد العظیم شرف الدین، ڈاکٹر: تاریخ التشریع الاسلامی (جامع قادیونس، بنغازی، ۱۹۹۳ء) ص ۹۹-۱۰۰
 ۹۔ نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۳۰۶
 ۱۰۔ امام عبد الرزاق: المصنف، ۱۰: ۲۳۹ و عبد اللہ بن محمد، ابن ابی شیبہ، امام: المصنف (دار الفکر، بیروت)
- ☆ حافظ علی بحیرۃ الاحرام جامعہ، ڈاکٹر المسکن فی السجد، و محمد نسک البادریہ للمصلاۃ، بتقدیر السرور ☆

۱۹۹۴م) ۷: ۳۳۳ و امام بیہقی: السنن الکبریٰ ۶: ۲۵۵

۱۱۔ عرفان خالد، دھلون: علم اصول فقہ، ۱: ۲۵۲

۱۲۔ امام ابن ابی شیبہ: المصنف ۷: ۳۳۳

۱۳۔ کیونکہ استحسان سے مراد ہے ”قیاس جلی کو چھوڑ کر قیاس خفی کو اختیار کرنا یا کسی حکم اور اصل کلی سے کسی ایک جزئیہ کا استثناء کرنا،۔ (عبدالکریم زیدان، ڈاکٹر: الوجیز فی اصول فقہ، فاران اکیڈمی، لاہور، ص۔ ۲۳۱)

۱۴۔ زرقا، مصطفیٰ احمد: المدخل الفقہی العام (دار الفکر، دمشق، ۱۹۶۸م) ۱: ۸۹

۱۵۔ عبدالکریم زیدان: الوجیز فی اصول الفقہ، ص ۲۵۰

۱۶۔ سورۃ النور، ۲۴: ۳۰-۳۱

۱۷۔ سورۃ الانعام، ۶: ۱۰۸

۱۸۔ امام مسلم: صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ، حدیث: ۳۲۷۲

۱۹۔ ابن تیمیہ، امام: السياسة الشرعية (وزارة الشؤون الاسلامیة، الریاض، ۱۴۱۸ھ) ص ۱۱۲

۲۰۔ محمد بن اسماعیل، صنعانی، امام: سبل السلام شرح بلوغ المرام (جميع احیاء التراث الاسلامی، کویت، ۲۰۰۰م) ۴: ۱۹۶

۲۱۔ عبدالکریم زیدان: الوجیز فی اصول الفقہ، ص ۲۴۹

۲۲۔ نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۳۱۱

۲۳۔ امام ابن قیم: الطرق الحکمیہ، ص ۱۶

۲۴۔ سید مودودی: الجہاد فی الاسلام (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۳م) ص ۲۷

۲۵۔ امام عبدالرزاق: المصنف، ۶: ۲۶۵ و حافظ ابن حزم: المحلی، ۱۰: ۱۸۱، ۱۱: ۲۳۹ و امام ابن قدامہ: المغنی، ۶: ۶۳۶

۲۶۔ امام قرطبی: تفسیر القرطبی، ۱۶: ۲۷۴-۲۷۸ بحوالہ نادیہ شریف، العمری، ڈاکٹر: اجتہاد الرسول ﷺ

ص ۳۱۱

۲۷۔ جس طرح کہ قوم نوح نیک اور صلحاء افراد کی محبت و عقیدت میں غلو کا شکار ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ انہی کی

☆ ایماک والذنوب فانھا مصدر للمحرم والاحزان، وصی سبب النکات وباب المعاصب والازمات ☆

عبادت کرنے لگے (جلال الدین سیوطی: الدر المنثور، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۳ء، ۸: ۲۹۳-۲۹۴)

۲۸۔ محمد بن ابوبکر، ابن قیم، امام: اغاثۃ اللہقان (المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء) ۱: ۳۱۹

۲۹۔ محمد بن علی، شوکانی، امام: ارشاد النحول (محل محمد امین، مصر، ۱۳۲۷ھ) ص ۲۲۰

۳۰۔ قرآن وحدیث سے اس کے دلائل جاننے کے لئے ملاحظہ ہو: عرفان خالد ڈھلوں: علم اصول فقہ

۲۸۴: ۲۸۳۔ عبدالکریم زیدان، الوجیز فی اصول الفقہ، ص ۴۱۷

۳۱۔ مالک بن انس، امام: الموطا، کتاب الطہارۃ، باب الطہور للوضوء، ۱: ۷۱ او امام شاطبی: الموافقات، ۴: ۳۲۰

۳۲۔ عبدالسلام، ندوی: سیر الصحابہ جلد ۵، حصہ ۹، صفحہ ۲۵۷

۳۳۔ القضاء فی الاسلام، ص ۱۰۴ بحوالہ محمد تقی امینی: اجتہاد (قدیمی کتب خانہ کراچی، س۔ن) ص ۲۵

۳۴۔ امام بیہقی: السنن الکبریٰ ۸: ۴۱۰ و امام بخاری: صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب اذا اصاب قوم من

رجل حل یعاقب او یتکف منہم کھم، حدیث: ۶۸۹۶

۳۵۔ ابراہیم بن موسیٰ، ابوالخلیق، شاطبی، امام: الاعتصام (دار المعرفۃ، بیروت، س۔ن) ۲: ۱۲۵

۳۶۔ عبدالکریم زیدان، ڈاکٹر: المدخل لدراسۃ الشریعۃ الاسلامیہ (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۰ء)

ص ۱۰۵

۳۷۔ امام ابن حزم: المحلی، ۱۰: ۱۳۶

۳۸۔ مصطفیٰ احمد زرقا، المدخل الفقہی العام، ۱: ۱۶۱

۳۹۔ نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۳۰۷-۳۰۸

۴۰۔ علی بن ابی الکرم، ابن اثیر، امام: الکامل فی التاریخ (دار صادر، بیروت، ۱۹۶۵ء) ۲: ۵۳۷

۴۱۔ ایضاً و امام طبری: تاریخ الامم والملوک، ۴: ۶۸-۶۹

۴۲۔ نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۳۰۷

۴۳۔ قاسم بن سلام، امام: کتاب الاموال (تصحیح و تعلق: محمد حامد الفقہی) (ناشر نادر) ص ۱۵۲

۴۴۔ ابو یوسف، قاضی، امام: کتاب الخراج، ۲۸

۴۵۔ محمد تقی امینی: احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص ۹۱

- ۴۶۔ ان اسباب بارے تفصیل جاننے کے لیے باب سوم کی فصل اول ملاحظہ ہو۔
- ۴۷۔ اہل دیوان سے مراد ایک ہی محکمہ کے وہ لوگ جن کے نام ایک دیوان (رجسٹر) میں درج کر لیے جاتے تھے (محمد قاضی امینی: احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۱۸۴)
- ۴۸۔ شمس الدین، سرخسی، امام: الميسوط (دار المعرفہ، بیروت، س۔ ن۔) ۱۲۶: ۱۲۵-۲۷
- ۴۹۔ نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۲۵۷
- ۵۰۔ امام ابن قیم: الطرق الحکمیہ، ص ۲۴-۲۵
- ۵۱۔ سورۃ التوبہ، ۶۰: ۹
- ۵۲۔ مجیب اللہ ندوی: اجتہاد اور تبدیلی احکام (مرکز تحقیق دیال سنگھ، لاہور، س۔ ن۔) ص ۸۲-۸۵
- ۵۳۔ محمد رشید رضا: تفسیر المنار (دار الفکر، بیروت، س۔ ن۔) ۱۰: ۴۹۴-۴۹۵
- ۵۴۔ مصطفیٰ احمد، زرقاء: المدخل الفقہی العام، ۱: ۱۵۹
- ۵۵۔ مجیب اللہ ندوی: اجتہاد اور تبدیلی احکام، ص ۸۲-۸۵
- ۵۶۔ امام بیہقی: السنن الکبریٰ، ۷: ۲۰۰ و امام طبری: تفسیر الطبری، جامع البیان تاویل آی القرآن (مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۹۵۴م) ۱۰: ۱۶۳
- ۵۷۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ”تم میں سے کسی کا اپنی رسی پکڑ کر اپنی پشت پر لکڑیوں کا گٹھا لانا اور پھر بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرنا لوگوں سے سوال کرنے سے بہت بہتر ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۷۱)
- ۵۸۔ مجیب اللہ ندوی: اجتہاد اور تبدیلی احکام، ص ۳۱-۱۳۲
- ۵۹۔ امام مسلم: صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب لا زکاة علی المسلم فی عبده و فرسه، حدیث: ۲۲۷۳
- ۶۰۔ المرجع السابق، ص ۱۴۲
- ۶۱۔ امام قاسم بن سلام: کتاب الاموال، ص ۴۶۴، ۴۶۵
- ۶۲۔ البقرہ ۲: ۲۶۷
- ۶۳۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، امام: سنن ابی داؤد، کتاب الزکوة، باب العروس اذا كانت للتجارة، حدیث: ۱۵۶۲

۶۴۔ امام بیہقی: السنن الکبریٰ، ۲۹:۹

۶۵۔ امام ابن قدامہ: المغنی، ۳۰۱:۷

۶۶۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۲۶

۶۷۔ سورۃ المائدہ، ۵: ۵۵

۶۸۔ احمد بن علی، الرازی، بھصاص، امام: احکام القرآن (دار الکتب العربی، بیروت، س۔ ن) باب

ترویج الکتابیات، ۳۲۳:۲

۶۹۔ محمد بن حسن، الشیبانی، امام: کتاب الآثار، ص ۸۹

۷۰۔ المرجع السابق

۷۱۔ محمد بن عبدالواحد، ابن ہمام، امام: شرح فتح القدر (مکتبہ التجاریہ الکبریٰ، مصر، س۔ ن) ۳: ۲۷۲ و امام۔

بھصاص: احکام القرآن، ۳۲۵:۲

۷۲۔ سورۃ المائدہ، ۵: ۵۵

۷۳۔ مجیب اللہ ندوی: اجتہاد اور تبدیلی احکام، ص ۱۴۰

۷۴۔ امام ابن اثیر: الکامل، ۵۵۵:۲

”رماد“، خاک اور راکھ کو کہتے ہیں جبکہ ”مجاۃ“، بھوک کو۔ چونکہ اس قحط میں ایک عرصہ تک بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہر طرف خاک اڑتی رہتی تھی اور بھوک کی شدت سے لوگوں کے چہروں اور جسم کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا لہذا اس سال کو ”عام الرمادہ“، اور ”عام المجاۃ“، کہا جاتا ہے۔ (مجیب اللہ ندوی: اجتہاد اور تبدیلی

احکام، ص ۱۰۸)

۷۵۔ ایضاً

۷۶۔ امام ابن الجوزی: تاریخ عمر بن الخطاب، ص ۸۸

۷۷۔ سورۃ المائدہ، ۵: ۳۸

۷۸۔ سورۃ النحل، ۱۶: ۱۰۶

۷۹۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۷۳، الانعام، ۶: ۱۳۵

☆ لا تأثر من القول الصّحیح، والكلام الّسی الذی یمیل فیک، فانه ذی قائله ولا ذی یک ☆

۸۰۔ محمد عیسیٰ الاحسان، مفتی: قواعد الفقہ (الصدف پبلشرز، کراچی، ۱۹۸۲م) ص ۸۹

۸۱۔ امام علی متقی: کنز العمال، ۳۰۹:۵

۸۲۔ مصطفیٰ احمد زرقاء: المدخل الفقہی العام، ۱۵۹:۱

۸۳۔ مصطفیٰ زید: المصلح فی التشریع الاسلامی و نغم الدین الطوفی ص ۲۹-۳۲

۸۴۔ انیس احمد، ڈاکٹر: جدیدیت، تجدید اور اسلام، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، (جلد ۱۲۸، شمارہ ۱،

جنوری ۲۰۰۱م) ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۴۲

۸۵۔ فضل الرحمن، ڈاکٹر: اسلام اور جدیدیت (مشعل عوامی پبلیکس، لاہور، ۱۹۹۸م) ص ۱۱-۱۲

۸۶۔ شعیب احمد: اسلام اور جدت پسندی ہفت روزہ الاعتصام (جلد ۵۸، شمارہ ۲۳ تا ۲۴ مئی ۲۰۰۶م)

دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور، ص ۲۶

۸۷۔ ساجد الرحمن صدیقی، ڈاکٹر: اسلامی معاشرہ کی تائیس و تشکیل (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

، ۱۹۹۷م) ص ۲۰۷-۲۰۸

۸۸۔ عبد الوہاب النجار: الخلفاء الراشدون، ص ۲۳۳-۲۳۵

۸۹۔ شبلی نعمانی: الفاروق ص ۲۵۲-۲۵۳

۹۰۔ ایضاً، ص ۳۱۰

۹۱۔ ایضاً، ص ۳۱۰

۹۲۔ ایضاً، ص ۳۰۹

اپنے پیاروں کو عالم بناؤ..... اپنا پیارا ملک بچاؤ

بغیر علم کے اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی..... دنیاوی علم اللہ کی معرفت عطا نہیں کرتا

یہ دینی علم ہی کی شان ہے کہ وہ اللہ سے ملاتا ہے..... دنیاوی علم محض وسیلہ روزگار ہے۔

علماء کی قدر کیجئے..... عالم بنئے..... جاہل رہنے پر قناعت مت کیجئے۔

تحریک فروغ علم

☆ سب اعدائے ملک، و شتم حساد کی سیاہی قہقہ، لایک اصمت شیمانہ کورا، ورجلا مہما. ☆